بعد میں داخل ہوا جب وہ نہر میں گرا ہے۔"

بھائی کرپال سنگھ نے کہا "ہردت سیاں! کچھ عقل کی بات کر بھائی۔ پھانسی لگنے میں اس کا منکا تو ٹوٹا ہی نہیں، کیونکہ ڈالا تو ایک ہی جھٹکے میں ٹوٹ کر پانی پر آگرا تھا۔ اب جب رسے کی تڑی نہ رہی اور دیہہ کا بوجھ ہی نہ رہا، رسے پر تو منکا کس طرح سے ٹوٹ سکتا تھا، شیو رام ڈوب کر ہی مرا ہے۔"

ہردت سنگھ بولا "پر سردار جی پوسٹ مارٹم رپورٹ سے تو یہی اچارن ہوا ہے کہ پھندا لگنے سے مرا ہے۔"

"اوئے تم پوسٹ مارٹم کی رپورٹ چھوڑو۔" بھائی کرپال نے زچ ہو کر کہا۔ "چار ٹکے دے کر جیسی مرضی رپورٹ لکھوالو۔ رپورٹ نے کوئی منہ سے بولنا ہے کہ میں جھوٹی ہوں۔"

ہردت سنگھ اس پر بھی نہ مانا تو ان تینوں کے درمیان گرما گرم مباحثہ شروع ہو گیا۔ کافی دیر تک وہ آپس میں جھگڑتے اور اپنی اپنی تحقیق کا جواز پیش کرتے رہے، لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔ جب میں نے انہیں اپنے مکالموں میں لڑکھڑاتے ہوئے دیکھا تو بھائی کرپال سنگھ سے پوچھا "لالہ رام چندر زندہ ہیں کہ فوت ہو گئے؟"

کہنے لگے "زندہ ہیں پر اب دکان پر نہیں آتے۔ گئے گوڈے سوج گئے ہیں اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے ہیں۔ دو آدمی بغلوں میں ہاتھ دے کر تھوڑا سا چلاتے ہیں اور پھر بٹھا دیتے ہیں۔ دکان پر اب گجانند اور شری بھگوان بیٹھتے ہیں۔ مول چند اور نرائن داس اسامیوں سے اگاہی کا کام کرتے ہیں۔"

"یہ بھی تو بتائیں کہ برف کا کارخانہ بھی لگا لیا ہے۔" سوبھا سنگھ نے کہا۔

"برف کا کارخانہ تو پہلے بھی تھا۔" بھائی کرپال سنگھ نے سوچتے ہوئے کہا۔

"ہمارے ہوتے ہوئے نہیں تھا۔" میں نے یقین سے کہا "ہمارے بعد میں لگایا ہو گا۔"

"چلو پہلے سہی یا بعد میں سہی۔ لالہ جی کی موج بہاریں ہیں۔ اولاد جوان ہے اور سارے کی ساری سیانی ہے۔ ہم جاٹوں کی طرح نہیں کہ بڈھے ہونے تک عقل ہی نہ آئی۔"

پھر میں نے دماغ پر جان بوجھ کر زور دیتے ہوئے پوچھا "وہ ایک کشمیری پنڈت رہتے تھے ویدوں کے محلے میں۔"

"ان کا کچھ پتہ نہیں" بھائی کرپال سنگھ نے جواب دیا تو سوبھا سنگھ جی کہنے لگے "بھائی جی

برجموہن کو پوچھ رہے ہیں....."

کرپال سنگھ نے ہاتھ اٹھا کر اپنے دونوں ساتھیوں کو منع کرتے ہوئے کہا "بھاپے کو بات کرنے دو اور مجھے جواب دینے دو تم نے بیچ میں نہیں بولنا۔" پھر میری طرف مخاطب ہو کر بولے "ہاں جی؟"

میں نے کہا "بائی کرپال سنگھ جی شاید یہ ٹھیک کہتے ہیں ان کا نام پنڈت برجموہن ہی تھا۔"

"تو نے پنڈت برجموہن سے کیا لینا ہے تو سیدھی بات کر اصلی۔"

"اصلی ہی تو کر رہا ہوں۔" میں نے مسکراہٹ روک کر کہا "ویدوں کے محلے میں نہیں رہتے تھے وہ؟"

"وہ تو ویدوں کے محلے میں ہی رہتے تھے پر تو اصلی بات کر اپنے اندر والی۔"

میں نے کہا "آپ بھی کمال کرتے ہیں بائی میں اصل بات ہی تو کر رہا ہوں۔"

کہنے لگے "اصل بات اس سے اگلی ہے۔ ویدوں کے محلے سے بھی اور پنڈت برجموہن کی ذات سے بھی۔" یہ کہہ کر وہ رک گئے اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگے "سیدھی طرح رجنی کا حال کیوں نہیں پوچھتا۔ بل فریب کیوں کر رہا ہے۔"

میں نے منہ پکا کر کے کہا "بل فریب کی اس میں کیا بات ہے' سبھی کا حال پوچھ رہا ہوں۔"

کہنے لگے "پہلے جتنے لوگوں کا حال پوچھا ہے ہم کو بیلہ بنانے کے لیے پوچھا ہے۔ وہ تیرا اصل مقصد نہ تھا۔ پہنچنا تو رجنی تک چاہتا تھا ہم کو خواہ مخواہ پھدو بناتا رہا۔"

میں نے زور کا ایک قہقہہ مار کر کہا "یہ بات نہیں بھائی کرپال سنگھ جی' میں نے سب کا حال ایک ایک کر کے ہی پوچھنا تھا ناں۔"

بھائی کرپال سنگھ نے کہا "اب تیرا استاد ہے اور ہمارا گیانی ہے۔ پوجیہ سمان منکھ ہے اس کو کچھ کہہ بھی نہیں سکتے پر اس نے رجنی کو مورت بنا کر چتائی کے ساتھ لگا دیا ہے۔"

میں نے جلدی سے کہا "تو اس میں ان کا کیا قصور ہے؟"

کہنے لگے "قصور تو کوئی نہیں' ساری ہونی کی بات ہے پر بی بی کے ماتھے پر لیکھ کی ریکھ کھنچ گئی۔ اب اس کا کیا جینا اور کیا مرنا؟"

سردار سوبھا نے بے چین ہو کر پوچھا "کس کی بات ہو رہی ہے بھائی جی؟"

"اپنے گیانی بھائی بابلی سنگھ جی نہیں۔" کرپال سنگھ نے کہا "وہ ویر جی کے استاد بھی ہیں

اور جگری یار بھی۔ ان کی بات کر رہا ہوں۔" سردار سوبھا سنگھ نے کہا "ان کو تو گورو مہاراج نے ایسا گیان دیا ہے کہ بڑے بڑے گیانی ان کے سامنے مٹی ہو گئے۔ کئی مرتبہ ان کو دربار امرتسر کے لیے بلاوا آیا پر وہ تخت پور چھوڑ کر نہیں جاتے۔ شبد کیرتن میں ان کی بانی سے جان پڑ جاتی ہے۔"

ہردت سنگھ کہنے لگے "آپ ان کو جانتے ہیں ویر جی؟"

"جانتے!" کرپال سنگھ نے حیران ہو کر کہا "او بھائی یہ دونوں اک مک ہیں۔ تو تے دو ہیں تار ایک ہی کھڑکتی ہے۔"

میں نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا "کہاں سرکار بھائی بابلی سنگھ جی اور کہاں میں۔ کہاں رام رام کہاں کہاں میں۔ مجھے اتنا گنہگار تو نہ کرو۔"

یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے اپنے استاد کے نام کے ساتھ سنگھ کا لفظ استعمال کیا۔ کر تو گیا لیکن میری روح کانپ گئی اور بڑی دیر تک گم سم بیٹھا رہا۔ میں ان کا نام اس لفظ کے بغیر بھی لے سکتا تھا، لیکن سامنے بیٹھے ہوئے مہمانوں کی خوشنودی نے مجھے اس قدر بودا بنا دیا تھا کہ مجھے اپنے آپ پر اعتبار نہیں رہا تھا۔

اصل میں پاکستان کے لوگ بڑے وطن پرست، محبِ وطن اور اپنے تشخص سے پیار کرنے والے ہیں، لیکن ان میں آنکھوں کی شرم اور دل کی نرمی بہت ہے۔ غیر کا دل رکھنے کے لیے دوٹوک جواب نہیں دے سکتے۔ اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگتے ہیں۔ ساتھ ہی ان کو ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ اگر میں دل کی بات زبان پر لے آیا تو لوگ مجھے پس ماندہ، تنگ نظر، بے علم اور بنیاد پرست سمجھیں گے۔ اس خوف کے پیش نظر وہ اپنے نظریے اور اعتقاد کو ایک طرف لپیٹ کر غیر کے ہم خیال بن کر بیٹھ جاتے ہیں، لیکن بعد میں پشیمان ضرور ہوتے ہیں۔ اس وقت کچھ ایسی پشیمانی میں میں بھی مبتلا تھا اور اپنے اظہار پر علانیہ نظر ثانی کرنے سے معذور تھا۔

چپڑاسی نے آکر بتایا کہ گھر سے فون آیا ہے، کھانے پر انتظار ہو رہا ہے۔ میں نے اپنا بریف کیس چپڑاسی کو دیا۔ مہمانوں کو ساتھ لے کر اٹھا اور دفتر سے باہر آ گیا۔ پورچ میں سفید وردی والا شوفر گاڑی کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ پی اے اور اکاؤنٹس آفیسر گاڑی کے پاس موجود تھے۔ میں نے چند غیر ضروری ہدایات ان کو دیں اور مہمانوں کو لے کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اتنے سارے طمطراق کے باوجود ہم غیر ملکی مہمانوں سے پھر بھی مرعوب رہتے ہیں۔ شاید باہر کی عظیم الشان بلڈنگ کی بنیاد اندر سے کھوکھلی ہے۔

WWW.PAKS

۱۶

سکھ یاتریوں کے جانے کے پورے ایک مہینے بعد مشرقی پاکستان میں بے چینی کی لہر پیدا ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ایک شدید احتجاج کی صورت اختیار کر لی۔ مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کا یہ احتجاج مغربی پاکستان کے مسلمانوں کے خلاف تھا' جو ان کے بھانویں ایک عرصہ سے مشرقی پاکستان کی دولت لوٹ لوٹ کر اپنا گھر بھر رہے تھے اور مشرقی پاکستان کے مقابلے میں امیر ہوتے جا رہے تھے۔ بھارتی حکومت کو چونکہ شروع ہی سے مسلمانوں سے قلبی لگاؤ ہے اور وہ دنیا کے کسی خطے میں بے عدلی اور بے انصافی کو برداشت نہیں کرتی' اس لیے اس نے مشرقی پاکستان کے مظلوم مسلمانوں کو ظلم و ستم کی وہ تفاصیل فراہم کرنا شروع کر دیں جو مغربی پاکستان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھیں۔

بھارتی حکومت نے مشرقی پاکستان کے ایک ایک مسلمان کو جا کر سمجھایا کہ ان کے سنہرے ریشے کی برآمد سے اسلام آباد کی تعمیر ہو رہی ہے اور ان کی چائے کی دولت سے ملتان' ساہیوال اور لاہور کی سڑکیں بن رہی ہیں۔ پتو کی' کانا کاچھا' قصور' ایبن آباد اور چونیاں میں ایک سو پچاس پرائمری سکول اسی پیسے سے بنے ہیں۔ کرنافلی کا کاغذ باہر ایکسپورٹ کر کے اس سے ایک سو بتیس کاریں امپورٹ کی گئی ہیں جو ساری کی ساری مغربی پاکستان میں چل رہی ہیں۔

پھر بھارت نے آرٹ پیپر پر رنگین تصویروں کا ایک کتابچہ شائع کر کے بھی گھر گھر تقسیم کیا جس میں مغربی پاکستان کے عام آدمیوں کو دکھایا گیا تھا جو قد میں' رنگ میں' لباس میں اور صحت جسمانی کے اعتبار سے مشرقی پاکستان کے خاص آدمیوں سے سپریئر تھے اور جن کی روزانہ خوراک کا استعمال وزن میں بھی زیادہ تھا اور طاقت فراہم کرنے میں بھی ارفع تھا۔ مغربی پاکستان میں شادی کے موقع پر کھینچی ہوئی ایک تصویر میں دولہا نوٹوں کا ہار پہن کر کھڑا

تھا اور اس کے نیچے لکھا تھا "مشرقی پاکستان سے لوٹی ہوئی دولت کا کرنسی بار جس کی مالیت اسی ہزار روپے ہے۔"

جب مشرقی پاکستان کے مجبور و مظلوم لوگوں نے بھارتی حکومت کی طرف رحم بھری نگاہیں اٹھا کر پوچھا "ہم کیا کریں؟" تو انہیں کلکتہ کے مولوی ربیع الدین احمد اور مولانا ودود القادر انصاری کے وہ دینی پمفلٹ دیئے گئے جو پرانی وضع کے سری رام پور کاغذ پر چھپے تھے اور جن کے صفحے چھری چاقو سے کاٹ کر الگ الگ کیے جاتے تھے۔ ان رسائل میں بنیادی دینی تعلیمات تھیں اور صحیح نماز ادا کرنے کے مسائل بیان کیے گئے تھے۔ آخری صفحے پر صبر کی تلقین تھی اور آخری پیرے میں حضرت ریان بن جابر کا فتویٰ تھا کہ جب تم پر ظلم کی اور جبر کی انتہا ہو جائے اور تمہارا بھائی تمہاری آنکھوں کے سامنے تمہاری دولت سمیٹنے لگے اور تمہاری نظروں کے سامنے اس دولت سے عیاشی کا سامان فراہم کرے تو اللہ کا نام لے کر تلوار اٹھاؤ اور اس کے خلاف جہاد کرو۔ یہ جہاد افضل ترین جہاد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے بندے کا سب سے پسندیدہ فعل ہے۔ آخری فقرہ تھا کہ اس وقت جس طرح سے مغربی پاکستان خاص طور پر پنجاب مشرقی پاکستان کو ایکسپلائٹ کر رہا ہے' ہر مسلمان مرد و زن اور بچے بوڑھے پر دینی فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اسلام آباد کے خلاف اعلان جنگ کرے اور اس وقت تک آرام سے نہ بیٹھے جب تک اللہ کی نصرت اس کے دروازے پر نہ پہنچ جائے اور وہ ظلم سے نجات حاصل نہ کر لے۔ حاشیئے کے باہر ایک خط کشیدہ لائن تھی جب تک ہم اپنی پوتر ماتری بھومی کے لیے "پاکستان کا گندا اور اشدھ لفظ نہیں چھوڑیں گے' اس وقت تک فتح مبین سے مالامال نہیں ہوں گے۔"

مشرقی پاکستان کے پامال و پریشان دردمند مسلمانوں نے جب اپنی بے چارگی اور کم مائیگی کا اظہار کیا تو بھارتی حکومت نے اللہ کے نام پر دین برحق کی خدمت کے لیے انہیں ہر طرح کی مدد کا یقین دلایا اور وعدہ کیا کہ اگر وہ مغربی پاکستان کے خلاف حق و صداقت کی تلوار اٹھائیں گے تو بھارتی حکومت ہر طرح سے ان کی مدد کرے گی اور فتح کے دن تک ان کا ساتھ دے گی۔ اس مدد میں گولہ بارود' رسل و رسائل' فوجی والنٹیر' مالی مدد سبھی کچھ شامل ہو گا اور اگر حالات نے ساتھ دیا تو ہوائی آپریشن بھی اس کا ایک حصہ ہو گا۔ مشرقی پاکستان کے مسلمان اس غیبی امداد سے بہت خوش ہوئے اور انہوں نے مغربی پاکستان اور پاکستان کی فوج کے خلاف باقاعدہ اعلان جنگ کر دیا۔

WWW.PAK

خوب لڑائی ہوئی اور گھمسان کا رن پڑا۔ مسلمان جب مسلمان کے خلاف لڑتا ہے تو بڑی دلیری اور بے جگری کے ساتھ لڑتا ہے۔ یہ ان بلٹ خاصیت شروع ہی سے اس کے اندر موجود ہے اور وقت آنے پر اپنی پوری توانائی کے ساتھ عود کر آتی ہے۔ غیر مسلم کے ساتھ مسلمانوں کی جنگ بڑی محتاط' بے حد متوازن' اصولوں پر مبنی اور شرافت کی جنگ ہوتی ہے۔ صلیبی جنگوں میں مسلمان اپنے دشمن کو عزت اور وقار کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مشکل وقت آجانے پر انہیں راستہ بھی دیتے ہیں۔ رچرڈ بیمار ہو تو اس کے علاج کے لیے اپنے حکیم و طبیب بھی بھیجتے ہیں۔ دشمن کا نام لینا ہو تو اس کو رچرڈ شیر دل کہہ کر یاد کرتے ہیں' لیکن جب اپنوں کے ساتھ جنگ ہو تو پھر کوئی اصول اصول نہیں رہتا' ضابطہ ضابطہ نہیں رہتا۔ سوچ کی ساری راہیں بند ہو جاتی ہیں اور بے رحمی کا ہر راستہ کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ دونوں بڑھ بڑھ کر اپنے بھائی کو ایسے زخم لگاتے ہیں کہ اگر زخمی شیر بچ بھی جائے تو ارد گرد کی لومڑیاں سالہا سال تک اس کا گوشت نوچ نوچ کر کھا سکیں اور اپنے پریوار کی پرورش کرتی چلی جائیں۔

ڈھاکہ فال کر گیا۔ پاکستانی فوج کے کمانڈر نے اپنا پستول بھارتی فوج کے فاتح کمان دار جنرل اروڑہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

مشرقی پاکستان کے مسلمانوں نے مسجدوں میں چراغاں کیا۔ اللہ کے پاک نام کا ورد بلند ہوا اور مجلسوں میں حمد و نعت کے بعد بھارتی حکومت کے کارناموں کے گیت اور ترانے گائے گئے۔ کچھ بڈھے روئے تو جوانوں نے ان کی ڈاڑھیاں کھینچ کر ان کی لنگلیاں ڈھیلی کر دیں۔ ظالم اپنے کیفر کردار کو پہنچا اور بنگلہ دیش میں خیر و خوبی اور دولت و فراوانی کی بہاروں نے ڈیرے ڈال دیئے۔ دولت لوٹنے والے کے ہاتھ اور سر قلم کر دیئے گئے تھے اور اب بنگلہ دیش کی دولت اپنی تھی' اس جنگ آزادی نے بنگلہ دیش کا سر فخر سے بلند کر دیا تھا اور دنیا کے سارے محکوم ملک ایڑیاں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگے تھے۔

مشرقی پاکستان پر فتح پانے کے بعد بھارت کا قد ایک دم اونچا ہو گیا تھا اور عالمی برادری کے مہذب ملک اس کو قدر کی نگاہوں سے دیکھنے لگے تھے۔ خود بھارت کے لوگوں نے اس عظیم فتح کے شکرانے میں اپنی ملکہ کو سونے کے تلادان میں تولا اور ملکہ نے ترازو کے پلڑے سے اعلان کیا کہ ہم نے ہزار سالہ غلامی کا بدلہ لے لیا۔

ہماری زندگیوں میں معاہدۂ تاشقند پہلے ہی ایک راز تھا' اب ایک دوسرا راز سقوط

ڈھاکہ کی شکل میں اس کے پہلو میں آکر کھڑا ہو گیا۔ کچھ آوازیں آ رہی تھیں یہ سب کچھ جنرل یحییٰ کی وجہ سے ہوا اس کو پھانسی دی جائے۔ کچھ کا خیال تھا کہ اگر سلامتی کونسل میں پولینڈ کا ریزولیوشن نہ پھاڑا جاتا تو پاکستان دولخت ہونے سے بچ جاتا۔ کچھ لوگ اسے البدر اور الشمس کی کارروائیوں کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ کچھ پرانی وضع کے لوگ مشرقی پاکستان کے ہندوؤں کو نام دھرتے تھے۔ سوشلسٹوں کے لیے یہ ایک سیدھی سی بات تھی کہ یہ صاف اور واضح تاریخی عمل ہے جہاں استحصال ہو گا وہاں یہی حال ہو گا۔ جمہوریت نواز گروہ اسے مارشل لاء کی وجہ سے سمجھتا تھا۔ مارشل لاء "ادھر تم ادھر ہم" کے اعلان کو اس شکست سے وابستہ کیے بیٹھا تھا۔ جماعت اسلامی اسے دین سے دوری کا شاخسانہ خیال کرتی تھی۔ عام لوگ اتنی بڑی شکست کو امریکہ کی یارماری خیال کرتے تھے کہ سخت ضرورت کے وقت بھی بحری بیڑا نہ بھیجا۔

کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا۔ وہ روتے تھے اور ہر دم نالہ و شیون میں مبتلا تھے۔ انہوں نے کبھی مشرقی پاکستان دیکھا نہ تھا' لیکن اس سے وابستہ ضرور تھے۔ چند ایک ایسے بھی نکلے جنہوں نے ڈھاکہ فال کی خبر سنی اور ایک دلدوز چیخ کے ساتھ جاں بحق ہو گئے۔ انہوں نے صرف مشرقی پاکستان کا نام سنا ہوا تھا' اپنے مغربی پاکستان میں تھے لیکن ان کی روحیں مسجدوں والے شہر کے گنبدوں میں مقیم تھیں۔

علم کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ یہ جتنا ایک طرف ہوتا ہے تقریباً اسی قدر مخالف سمت میں بھی موجود ہوتا ہے۔ جس قدر علم ایمان کا اس دنیا میں ہے' اتنا ہی کفر کا ہے۔ جتنا اجالے کا ہے اسی قدر اندھیرے کا بھی ہے۔ جتنا سامنے کا ہے اتنا ہی پیچھے کا۔ جیسا جیسا ترقی کا ہے ویسا ہی روایت کا بھی ہے۔ اپنے اپنے من چلے کا سودا ہے۔ کھٹا لینا ہے' کھٹا لے لو' میٹھا درکار ہے میٹھا لے لو۔ کوئی پابندی نہیں' جبر نہیں۔ اکراہ نہیں۔

علم کی آموزش میں شروع ہی سے مقابلے اور مجادلے کی بنیاد راسخ کر دی جاتی ہے۔ آزاد چھوڑ کر رخ متعین کر دیا جاتا ہے۔ قلم اور تلوار کے مقابلے میں چاہے قلم قبیلے میں شامل ہو جاؤ چاہے تلوار طریق اختیار کر لو' تمہاری مرضی ہے۔ "دنیا کو ہے پھر معرکہ روح و بدن پیش" اس مباحثے میں چاہے بدن کی سائیڈ اختیار کر لو چاہے روح کی' ایک سا مواد مل جائے گا۔ "یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے۔" ..... "سرخ سویرا جھانک رہا ہے کھیتوں میں پچھلی ہریالی' سرخ سویرا خوف کا سایہ بچنے کی امید نہیں ہے"، "سائنس کی

ترقی نے انسان کو بام عروج پر پہنچادیا۔" کسی طرف کے ہو جاؤ علم ہر طرف سے تمہاری مدد کرے گا' اور ہر ہر قدم پر تمہارا ساتھ دے گا۔

ترازو کے تول تلے ہوئے علم کے ماہر سقوط مشرقی پاکستان پر اخباروں میں بھڑے' محفلوں میں الجھے' سیمیناروں میں گرجے' مباحثوں میں گونجے اور سارا ملک بنگلہ دیش منظور نامنظور..... نامنظور اور منظور کے پروں میں تقسیم ہو گیا' جس شدت کی لڑائی مشرقی پاکستان میں ہوئی تھی' کچھ ایسا ہی گھمسان کا بھیارن ادھر پڑ گیا۔ الجھی ہوئی ڈوری کا سرا کسی کو بھی نہ ملا اور ہر پارٹی اپنی اپنی جگہ پر اس یقین محکم کے ساتھ اٹھی کہ سرا اس نے ڈھونڈ لیا ہے۔ اور یہی اصل وجہ ہے۔ دوسرا چاہے مانے نہ مانے' اصل حقیقت یہی ہے جو مجھ کو معلوم ہے اور جس پر میں قائم ہوں۔ میرا اپنی بات پر قائم ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ میں سچا ہوں!

سن اکہتر کی جنگ میں ریڈیو کا ایک یومیہ پروگرام میرے ذمے بھی تھا۔ اس میں محاذ جنگ پر موجود فوجیوں کی حوصلہ افزائی' شہری آبادی کی ہمت بندھائی اور دشمن کی پسپائی کی تفصیلات بہم کرنے کا کام پیش نظر تھا۔ کرفیو کے اوقات اور بلیک آؤٹ کی تاریک راتوں میں پروڈیوسروں' انجینئروں اور صداکاروں کا وقت پر پہنچ کر ٹھیک ٹھیک نشانے لگانا بڑے دل گردے کا کام تھا۔ اپنے ملک اور اپنی ملت سے محبت کرنے والے یہ غریب' کم علم' بے آسرا اور گمنام لوگ اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر ہر دم تیار اور ہر وقت مستعد رہتے' لیکن ان کی محبت' خلوص نیتی' ہمت اور ہر طرح کی قربانی کے باوجود گاڑی پیچھے کو لڑھک رہی تھی اور اپنے ہی خاندان کے لوگ گاڑی کو ڈھلوان سے ڈھلتے دیکھ کر گھر والوں کی مدد کو آگے نہیں بڑھتے تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ خوفزدہ تھے کہ آزاد خیال لوگوں کا گروہ ہمیں تنگ نظر سمجھے گا اور وطن پرستی کا طعنہ دے گا کہ ہم آفاقی اور عالمی قدروں سے بے بہرہ ہیں۔ کچھ لوگ بھارت کے پسندیدہ لوگ تھے اور وہ بھارت کی نظروں سے گرنا نہیں چاہتے تھے۔ بہت سے اہل نظر اسے مذہبی جنونیوں کا ایک تباہ کن اور ہولناک ارادہ جان کر خاموش بیٹھے تھے۔ کچھ کو اندر کھاتے اس ڈرامے کی حقیقت معلوم تھی اور وہ بے وقوف پاکستانیوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ یہ لوگ اپنے اپنے مقام پر بڑی دانش اور بینش کے ساتھ آرام سے بیٹھے تھے اور ان کے مقامات بے وقوف پاکستانیوں سے بہت اونچے تھے۔ ریڈیو ماسکو بڑی جان سوزی کے ساتھ اپنی ہر ٹرانسمشن میں بھارت کا موقف اجاگر کر رہا تھا اور مغربی پاکستان کے مظالم کی تفصیلیں بڑی محنت سے براڈکاسٹ کر کے سارے پاکستان کو خوفزدہ کر رہا تھا۔ اس کا ہر نشریہ

اس بات پر ختم ہوتا تھا کہ پاکستان میں مختلف النوع قومیں آباد ہیں' جن کو آزاد ہونے کا اور آزادی سے زندگی بسر کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ پاکستان کی مصنوعی اکائی مذہب کی کھوکھلی بنیاد پر اٹھائی گئی ہے جسے ہر حال میں ڈہنا اور ٹکڑے ٹکڑے ہونا ہے۔ جب تک یہ ملک مختلف قومتوں میں تقسیم ہو کر آزاد سلطنتوں میں تبدیل نہیں ہو گا' اس وقت تک جنوب مشرقی ایشیا میں امن و استقامت کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔

لے دے کے ساری بھری پری دنیا میں صرف امریکہ پاکستان کا واحد دوست اور سپورٹر تھا' جس کو ہر گھڑی یہی خدشہ لگا ہوا تھا کہ کہیں ہندوستان کسی انہونی وجہ سے پاکستان سے شکست کھا کر ذلیل و خوار نہ ہو جائے۔ شکست نہ بھی ہو اور برابر کی چوٹ ہو جائے پھر بھی اتنے بڑے ملک کی بے عزتی ہو گی' اس لیے ہندوستان کی عظمت' شہرت' اس کی قدیم روایت اور سبھیتا کو بچانے کے لیے پاکستان کو اس کی حد میں رکھنا ضروری ہے اور مولے کو اس کی مولیت یاد دلانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ پاکستان سے گہری دوستی کی بنا پر جب امریکہ نے ہندوستان کو ڈھاکہ فال کا سگنل دے دیا' اور روس کو بتا دیا کہ ساتویں بحری بیڑے کی پیش قدمی کی کہانی پاکستان کا دل رکھنے کو بیان کی تھی' تو روس نے اپنے نشریے میں امریکہ کی دانشمندی کی داد دی اور بتایا کہ چونکہ مغربی پاکستان کو زندہ اور صحیح سلامت رکھنا ہمارے دشمن کی ضرورت ہے' اس لیے اس ضرورت کا خیال رکھا جائے گا اور ان کی درخواست کا احترام کیا جائے گا۔

جب ہندوستانی فوجوں نے مشرقی پاکستان فتح کر لیا تو بیجنگ سے چواین لائی کی آواز آئی کہ "سقوط ڈھاکہ بھارت کے خاتمے کی شروعات ہے" ہمارے دانشوروں نے مجذوب کی اس بڑ کا بڑا ٹھٹھا اڑایا۔ مجھے بھی اس عظیم تھنکر کے ایسے اعلان پر بڑا تعجب ہوا' لیکن چواین لائی اس وقت بوڑھا ہو رہا تھا اور بوڑھے لوگ کیسے بھی صاحب فکر کیوں نہ رہے ہوں' عمر کے آخری حصے میں ایسی بونگیاں ضرور مار جاتے ہیں۔ بھلا ہندوستان جیسے مضبوط قلعے میں جہاں صرف ایک ہی قوم بستی ہو' ایسی دراڑیں کیونکر پڑ سکتی تھیں!

۱۷

جب پاکستان آدھا رہ گیا اور بنگلہ دیش پورا بن گیا تو جمہوریت کی رانی اپنا جلوس لے کر ادھر بھی آ گئی اور ادھر بھی تخت پر بیٹھ گئی۔ سیانے لوگ کوچہ و بازار میں' گلی محلوں میں' تھڑوں کے اوپر گھروں کے اندر ایک ہی بات کہہ رہے تھے کہ اگر جمہوریت کو انتخابات کے ساتھ ہی آنے دیا جاتا تو ذلت و رسوائی کا ایسا سامنا نہ ہوتا۔ اگر نکاح کے فوراً بعد ہنی مون کا بندوبست نہ کیا جائے اور خلوص صحیحہ کا انتظام نہ ہو تو نکاح ایک لفظی سی بات رہ جاتی ہے۔ ایسے میں کوئی بھی الٹی پاڑھت پڑھا کر بنے بنی کو آسانی سے ورغلا سکتا ہے اور محبت میں لتھڑے ہوؤں کے درمیان بند باندھ کر انہیں بادلا بنا سکتا ہے' اسی لیے کہتے ہیں کہ نکاح کر کے رخصت کر دو اور خود پیچھے ہٹ جاؤ اور الیکشن کر کے اگلے ہی دن پاور ٹرانسفر کر دو اور خود الگ ہو جاؤ۔ تاخیر ہو گئی تو دونوں معاملوں میں لاواجبا کر دے گا۔ ایک جگہ رک کر اور دوسری جگہ پھوٹ کر' لیکن یہ بات مانی نہ گئی۔

تیسری دنیا میں جمہوریت کسی عمل یا تبدیلی کا نام نہیں۔ ایک طرز حکومت کے اختیار کرنے کا اعلان ہے۔ اس میں کچھ کرنا نہیں ہوتا' جان نہیں مارنی پڑتی۔ ملک اور قوم کے لیے کچھ قربان نہیں کرنا پڑتا۔ گرہ سے نہ مال دینا پڑتا ہے' نہ وقت' نہ توجہ' نہ ہمدردی' نہ شفقت' نہ مہربانی..... بس مبارکباد دینی ہوتی ہے کہ جمہوریت آ گئی' مبارک ہو۔ منہ ہاتھ دھوؤ' اجلے کپڑے پہنو' باغوں کی سیر کرو اور خدا کا شکر بجالاؤ جس نے تم کو ایسی نعمت سے نوازا اور اپنے خصوصی کرم سے خیر کثیر عطا کی۔ اگر کوئی تکلیف ہے تو عدالت سے رجوع کرو۔ کسی نے زیادتی کی ہے تو عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاؤ۔ اگر حکومت کی سرزنش مقصود ہے تو کورٹ سے رابطہ کرو۔ جو کچھ بھی کرنا ہے آئین کے اندر اندر کرلو اور جس کسی کو سیدھا کرنا ہے آئین کی جنتری میں ڈال کے کھینچ لو۔

OCIETY.COM

لیکن تیسری دنیا کے لوگ' پامال و پریشان و دردمند' ذلتوں کے مارے' صدیوں کے ٹھکرائے' محکومیوں اور مجبوریوں کی جھلیں اٹھائے' محبت کے ایک بول اور شفقت کی دو تھپکیوں کے متمنی ہوتے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ دنیا کے پلیٹ فارم پر انہیں بھی تھرڈ کلاس پسنجر کا مقام مل جائے اور خود بخود مل جائے۔ رشمیں نہ کرنی پڑیں' عدالت نہ جانا پڑے' سوالی نہ بننا ہووے اور احتجاجی نہ کہلانا ہووے۔ لیکن قانون تو قانون ہوتا ہے اور انصاف ہمیشہ اندھا ہوتا ہے' اسی لیے دنیا کے آئین و دساتیر میں جذباتی باتیں درج نہیں کی جاتیں اور محبت و شفقت کی شقیں داخل نہیں کی جاتیں۔ وہاں صرف اصول ہوتا ہے اور اصولوں پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جاسکتا' اس لیے عام آدمی کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ دستور کے ہوتے ہوئے' عدالتوں کی موجودگی میں اور اصولوں کی حفاظت کے محافظوں کے باوجود اس کو خیر کیوں نہ پڑتی۔

جمہوریت آچکی تھی اور ہم شاداں و فرحاں زندگی گزار رہے تھے۔ نہ غم امروز نہ فکر فردا۔ نہ آدھا ملک گنوا دینے کی ہوک نہ اپنوں سے بچھڑ جانے کا درد۔ زندگی بہت ہی خوشگوار اور پائیدار ہو گئی تھی' جس سحر کی آرزو لے کر ہم سن سینتالیس میں چلے تھے۔ وہ بڑی کر بہ پائی کے ساتھ خود ہی ہماری دہلیز پر آکر بیٹھ گئی تھی۔

جمہوریت اس قدر پاکیزہ چیز ہے کہ اس کی موجودگی میں انسان مذہب کے بکھیڑوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ ایک اتنا بڑا کل ہے کہ دوسری ساری چیزیں اس کے تنبو میں آکر آرام سے بیٹھ جاتی ہیں اور سر جھکا کر خاموش ہو جاتی ہیں۔ پرانے سرداری' جاگیرداری اور قبائلی نظام' مذہبی پیشواؤں کے حکومتی ہتھکنڈے اور حالیہ بادشاہوں کے پرویزی حیلے یہ سارے دریا جمہوریت کے سمندر میں غرق ہو جاتے ہیں اور پھر اس سمندر کی اپنی ایک لہر اٹھتی ہے جو ساری بدیوں' برائیوں' عفونتوں اور زبونیوں کو خس و خاشاک کی طرح بہالے جاتی ہے اور انسان اپنے ہر عمل کے لیے انصاف و آئین کے کٹہرے میں کھڑا رہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

ہمارے یہاں جمہوریت آگئی تھی اور ہم سب ظلم و زیادتی کی اوگھٹ گھاٹیوں سے نکل کر عدل و انصاف اور محبت و مساوات کے کھلے میدان میں آگئے تھے۔ پامال' خواری اور زبوں حالی کا دور گزر گیا تھا اور لوگ معاہدۂ تاشقند کی مکروہ کہانی کی تفصیلات سننے کے لیے یکسو ہو کر بیٹھ گئے تھے۔

بڑا اچھا زمانہ اور بڑا سہانہ وقت تھا۔ ہر طرح کی اونچ نیچ مٹائی جارہی تھی۔ برتری اور

WWW.PAKS

ابتری کی لعنتیں ایک ساتھ ختم کی جا رہی تھیں اور جمہوریت کا عمل لوگوں میں آسانیاں تقسیم کر رہا تھا۔ دولت کے قارونی نشے اور طاقت کے فرعونی تحکمی کے پرانے آثار زمین بوس ہو رہے تھے۔ کچھ نیا نیا ہونے کی نوید تھی اور پرانا پرانا ختم کرنے پر زور دیا جا رہا تھا۔ جیسے لوگ عید کے روز نئے کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر نکلتے ہیں' کچھ ایسے ہی جمہوریت کا تہوار اکسا تا رہا تھا لیکن لوگ کپڑے بدل کر نکلے نہیں' اخبار دیکھ کر خوش ہوتے رہے۔

لیکن یہ اخباری خوشی بھی چند دنوں کے اندر ہرن ہو گئی۔ گرمی' سردی' بہار' خزاں کی طرح ایک اور رت آئی۔ بے یقینی اور بے مرادی کی رت جو آہستہ آہستہ بداعتمادی کے بڑے موسم میں تبدیل ہو گئی۔ پھر اس موسم نے سارے ملک پر چھاؤنی ڈال دی اور پختہ ارادہ کر کے بیٹھ گیا کہ اب اس علاقے میں کوئی دوسرا موسم نہیں آئے گا۔ بس ایک میں رہوں گا!

اصل میں بہت سے لوگ جمہوریت کا یہ مطلب سمجھتے تھے کہ اس کے آجانے پر ہر شخص کی عزت و مرتبت کے تعین کا اعلان ہو گا اور پاکستان کے سب لوگوں کے ایک رتبے اور ایک مرتبے کا حکم جاری ہو جائے گا۔ لوگوں کو ان کی توقیر ذات واپس لوٹا دی جائے گی اور ان کے اس شان و مقام کو پوری دنیا پر واضح کر دیا جائے گا جو پہلے تو بادشاہوں نے پامال کیا پھر کمپنی بہادر نے اپنی مشینی برتری کی ٹھوکروں سے ریزہ ریزہ کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مٹی میں ملا دیا۔

صبح جمہوریت کی آمد پر پاکستان کے سارے لوگ اس اعتماد کے ساتھ گھروں سے باہر نکل آئے تھے کہ اب گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی ترجیح نہیں ہو گی۔ امیر غریب' پڑھے لکھے' ان پڑھ صاحب کلفی وکلاء اور بے عرف و بے نوا برابر کے انسان سمجھے جائیں گے۔ اونچ نیچ ختم ہو جائے گی اور سارے ملک میں صدیوں کی رکی ہوئی عطر بیز بہار جمہوریت آجائے گی۔

لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ جمہوریت کے سرداروں اور جمہوری کارخانے کے صنعت کاروں نے آگے بڑھ کر بڑی شفقت کے ساتھ اعلان کیا کہ ہم تمہاری مشکلات کے حل کے لیے میدان میں آئے ہیں اور تمہاری برسوں کی دبی ہوئی آرزوئیں پوری کرنے کے لیے اپنے سر ہتھیلیوں پر رکھ کر لائے ہیں کہ ہم تمہیں روٹی کپڑا اور مکان دیں گے۔ زمین اور رتبے دیں گے۔ لوگوں کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر بات کرنے کی ہیبت عطا کریں گے۔ لیکن ہم

OCIETY.COM

مساوات اور برابری کا چلن عام نہیں کر سکیں گے' کیونکہ ہم کو بہ امر مجبوری ایک طے شدہ اونچے مقام پر بیٹھ کر تمہاری عزت افزائی کے منصوبے تیار کرنے ہیں اور تمہارے درمیان خوشیاں اور آسودگیاں تقسیم کرنی ہیں۔

جب یہ سب کچھ طے پا گیا تو باہر نکلے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص نے آگے بڑھ کر کہا ہم تو جمہوریت کو ایک ایسا زندگی آموز عمل سمجھتے تھے' جو گروہ انسانی کے کردار میں رفعت اور سربلندی پیدا کر دے۔ ہر شخص کا احترام ہو۔ ہر ایک کی تکریم ہو۔ کسی کو دیوتا نہ سمجھا جائے۔ کسی کی پوجا نہ ہو۔ کوئی اونچے کھٹولے میں بیٹھ کر نیچے بستے انسانوں کو شاباش نہ دیتا جائے۔ مرحبا مرحبا نہ کہتا جائے۔ یہ جمہوریت تو نہیں یہ تو کچھ اور ہے۔ ہم تو بڑی امیدیں لے کر چلے تھے۔

جب جمہوریت کا معاملہ ایسا سیدھا' ستواں' آسان اور خوش آیند نکلا تو میں نے سیاست میں حصہ لینے کا پروگرام بنا لیا۔ اس میں عزت بھی تھی' دولت بھی۔ آسودگی اور فراوانی بھی۔ خوش وقتی بھی اور خوش فکری بھی۔ سیاست کے دخیل ہنستے بستے لوگ تھے۔ ہر وقت ہنستے کھیلتے رہتے۔ موج میلے کرتے' جشن مناتے' انکھیلیاں کرتے' زندگی گزارتے' آتے جاتے تالیاں بجواتے' نعرے لگواتے' ہاتھ چلاتے' وی کے نشان بناتے' دیوتاؤں سمان نکل جاتے تھے اور لوگوں کو یقین دلا جاتے تھے کہ تالیاں بجانے اور نعرے لگانے سے ان کی عزت اور نیک نامی میں اضافہ ہوا ہے اور وہ ذی وقار لوگوں میں شامل ہو گئے ہیں۔

جس طرح وکالت کے پیشے سے منسلک ہونے کے لیے نئے وکیل کو کسی پرانے اور کہنہ مشق وکیل کی شاگردی میں داخل ہونا پڑتا ہے' اس طرح ہمارے یہاں ایک سیاست دان بننے کے لیے کسی بڑے سیاست دان کی جوتیاں سیدھی کرنی پڑتی ہیں اور ہر وقت اس کی معیت میں رہنا پڑتا ہے۔ میں نے بڑے سیاست دانوں کے قریب رہنے اور ان کی خوشامد کرنے کے لیے اپنے دفتری اوقات سے اچھا خاصہ وقت ادھار لے کر ان چلتے پھرتے اداروں پر صرف کرنا شروع کر دیا۔ بڑے اچھے نتائج برآمد ہوئے اور میرا درخشاں مستقبل خود بخود میرے قریب آنے لگا۔ وہ جو سیاست دانوں اور حکمرانوں کی ایک مخصوص رعونت ہوتی ہے وہ تو مجھ میں فوری طور پر پیدا نہ ہو سکی' البتہ میرے اندر طمطراق کی کئی شمعیں ایک ساتھ روشن ہو گئیں۔

WWW.PAKS

۱۸

ایک دن صبح شیو کرتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ میرا چہرہ پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گیا ہے اور اس کے کھردرے پن میں ایک خاص طرح کی جاذبیت پیدا ہو گئی ہے۔ میں نے پیچھے ہٹ کر دیکھا تو مجھے یوں لگا جیسے میرے سارے وجود میں ایک عجیب طرح کا زرافہ پن پیدا ہو گیا ہے اور میری گردن اس قدر لمبی ہو گئی ہے کہ مجھے ہر شے نیچی نظر آنے لگی ہے اور میرا سراپا عین لفظ طمطراق کی طرح پیچیدہ، کم، مستعمل، جھنجھٹ دار اور رپھڑی سا ہو گیا تھا۔ مجھے اپنے اندر یہ تبدیلی دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ میں ٹھیک ٹھیک راستے پر تھا۔

عوام کے ساتھ گہرا اور قریبی تعلق ہونے کی وجہ سے تقریباً سارے سیاستدان ضعیف الاعتقاد، پیر پرست، وہمی، جوتش پسند، اعداد پرست، شگون گیر، فال مست اور قرعہ کیش ضرور ہوتے ہیں۔ وہ ڈیروں، استھانوں، تکیوں پر بھی جاتے ہیں اور جوتشیوں، نجومیوں کو اپنے یہاں بلا کر بھی ان سے اپنی قسمت کی فال نکلواتے ہیں۔

ان جوتشیوں، نجومیوں اور رمالیوں کی بھی ایک عجیب دنیا ہے۔ کچھ تو ان کا یہ پیشہ ہے اور کچھ ان کو اس کام کا بھی چسکا ہے۔ گاہک ہو نہ ہو، وہ اپنا سودا بناتے جائیں گے اور رجسٹر بھرتے جائیں گے۔

انہی لوگوں میں سے ایک خوشی محمد عامل کامل بھی تھا، جس کا اڈہ جون میکڈونلڈ سکول کے پہلو میں پٹرول پمپ کے پیچھے ایک بے آباد سے گیراج میں تھا۔ یہاں بہت سے چارٹ اور نقشے آویزاں تھے۔ کھلی الماریوں میں کھوپڑیاں حنوط شدہ نیولے، سانپ، گوہیں اور سلیں رکھی تھیں۔ فرش پر کھجور کی چٹائیاں بچھی تھیں۔ کونے میں رلی کا ایک خوبصورت جھول تھا، جس پر خوشی محمد بیٹھتا تھا اور سامنے اس کے منشیوں والی ایک صندوقچی تھی، جس کا ڈھکنا آدھے

OCIETY.COM

سے بھی کم اٹھا کر وہ اندر دیکھتا تھا اور غیب کی خبر بتاتا تھا۔

اس زمانے کے نامی گرامی سیاستدان' منسٹر' بیوروکریٹس اور کروڑ پتی اس کے یہاں حاضری دینے آتے تھے اور اپنی قسمت کا حال معلوم کر کے مشکلات کے اپائے کا چٹکلا لے کر جاتے تھے۔ میں بھی ایک سیاستدان کی معرفت (جو بعد میں وزیر صنعت بنے) خوشی محمد کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے کمال فن اور بول بچن سے اس قدر متاثر ہوا کہ دل میں دھار لیا کہ اب آگے چل کر کچھ بننا ہے تو خوشی محمد ہی بننا ہے' اس سے کم نہیں۔

میں نے وقت بے وقت اس کی خدمت میں حاضریاں دینا شروع کر دیں اور اس کی خوشنودی کے لیے ہر طرح کے کام کرنے اور آلام اٹھانے کا تہیہ کر لیا۔ خوشی محمد بھی انسان شناس تھا۔ جلد بھانپ گیا کہ میں اس کے کام کی ایسی بوٹی ہوں جس کو نسخہ کے طور پر استعمال کر کے وہ بڑے سے بڑا شکرا پکڑ سکتا ہے۔ اور اس زمانے میں شکرے بہت تھے جو پکڑے جانے کے لیے پھڑ پھڑا رہے تھے۔

خوشی محمد کے ارادے کو اچھی طرح سے جانچ کر میں نے بھی اس پر یہ شرط عائد کر دی کہ جب تک وہ کشف کے اسرار و رموز سے مجھے واقف نہیں کرے گا' میں اس کے خطرناک پروگراموں میں اس کا ساتھ نہیں دوں گا' البتہ چھوٹی موٹی بدیوں اور کمینگیوں میں اس کے پہلو بہ پہلو ضرور چلوں گا۔ خوشی محمد کو اس بھاؤ پر یہ شرط منظور تھی کیونکہ وہ میری اندرونی فطرت سے کافی حد تک متاثر ہو چکا تھا اور مجھے پسند کرنے لگا تھا۔

جب اس نے مجھے اپنے فن کی کچھ ابتدائی باتیں بتائیں اور کتاب طلسم کے اولیں صفحات سے روشناس کرایا تو میرا دل ماننے سے منکر ہو گیا۔ ایسے جوڑ توڑ تو میں نے تیسری چوتھی جماعت میں بہت کیے تھے' جب ہمارے محلے کا درزی عنایت اللہ ہمارے علاقے کی عمری بھرائین کی لڑکی پر عاشق ہو گیا تھا اور اس کو قابو کرنے کے لیے مجھ سے ٹوٹکا کروانے آتا تھا۔

عنایت اللہ درزی ہر جمعرات میرے پاس مرغی کا ایک براؤن انڈہ لاتا اور اس پر مجھ سے میرے ہی قلم سے اور میری ہی صوف والی سیاہی سے لکھواتا تھا "ابجد' ہوز' حطی' کلمن' سفوص' اور پھر اس کے بعد دو نقطے اوپر نیچے ڈال کر اس کے آگے لکھا جاتا "عنایت اللہ درزی فنا شد و بناہ شد در محبت جیجاں محبوبہ شوخ و شنگ بنت عمری بھرائن و دولو بھرائی....."

میں جب اس سے کہتا کہ آگے انڈا ختم ہو گیا ہے عنایت بھائی' تو وہ مایوس ہو کر چپ ہو جاتا

ورنہ اس کے پاس مونہہ زبانی یاد کیے منتر کے ابھی دو چار جملے اور باقی ہوتے۔

اس انڈے کو محبوبہ کے قدموں میں توڑا جانا ضروری تھا۔ چنانچہ جب جیجاں کیٹلی کے نلکے سے پانی کا گھڑا بھر کر لا رہی ہوتی اور اس کے دونوں ہاتھ گھڑے پر ہوتے تو عنایت اللہ "ٹھا" کر کے میرا لکھا ہوا انڈا اس کے قدموں میں پھوڑ کر وہاں سے رفو چکر ہو جاتا..... میرا خیال ہے جیجاں کو اس بات کا علم تو تھا کہ یہ انڈا پھوڑی کس مقصد کے لیے کی جاتی ہے لیکن وہ اس کی پروانہ کرتی تھی اور اسی طرح سے گھڑا اٹھائے اٹھلاتی ہوئی گھر پہنچ جاتی تھی۔

جب خوشی محمد کے ساتھ میری کوئی پندرہ بیس نشستیں ہو چکیں تو میں اس سے کچھ مایوس ہو گیا کہ اس کے پاس وہ گوہر مقصود نہیں تھا' جس کی تلاش میں میں اس کے پاس پہنچا تھا۔ اس کے پاس کچھ چھوٹے چھوٹے کمالات اور ذرا ذرا سی پیش بینیاں تھیں' جن کے زور پر دور روحانیت کا پنساری بنا ہوا تھا۔

میں نے کہا میں تو اس بحر طلسمات میں گہرا غوطہ لگانا چاہتا ہوں اور روحانیت کے پاتال میں اتر کر ان بوقلمونیوں کا مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں' جن کے اسرار دائروں کی صورت میں سطح آب پر آتے ہیں' لیکن اندر کے بھید نہیں کھلتے۔ کہنے لگا "میں آپ کو اپنے گرو سے ملا دوں گا' لیکن اس کے لیے مجھے ان کی اجازت لینا ہو گی۔" میں نے کہا "آپ کے گرو یہیں ہیں' اسی شہر میں؟"

کہنے لگا "اب یہ ان کی مرضی ہے کہ وہ آپ سے ملاقات کرنا چاہیں یا مجھے جھڑک دیں' لیکن میں کوشش ضرور کروں گا۔ آگے آپ کی قسمت۔ کوئی وعدہ نہیں کرتا۔"

میں نے کہا "کون ہیں آپ کے گرو؟"

تو اس نے ڈھیلا سا منہ چھوڑ کر' سینہ پر ہاتھ رکھ کے پولی سی آواز میں کہا "شیطان!"

میرے اور اس کے درمیان ایک طویل وقفے کا تناؤ تن گیا۔

"شیطان!" میں نے گلا صاف کرتے ہوئے کہا "ابلیس؟"

اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر ادب سے سر جھکایا اور منحنی آواز میں بولا "استاد کامل کو آپ جس نام سے بھی پکاریں ان کا مقام ویسا ہی بلند رہے گا' جیسے کہ طے کر دیا گیا ہے۔"

وقت مقررہ پر جب میں خوشی محمد کے ڈیرے پر پہنچا تو میری حالت غیر تھی۔ وہ جو کہتے ہیں کاٹو تو لہو نہیں بدن میں' کچھ ویسی کیفیت میری تھی۔ لیکن شوق اور تجسس کا یہ حال تھا کہ الٹے پھر آنے پر طبیعت مائل نہ تھی۔ میں ایک چور بچے کی طرح خوشی محمد کے سامنے

OCIETY.COM

کھڑا تھا اور اپنے بوٹوں کے اندر دونوں انگوٹھے پاؤں پر رگڑ رہا تھا۔ گھبراہٹ تو نہ تھی لیکن میرا خیال ہے انگوٹھے حرکت کر رہے تھے۔

خوشی محمد نے کہا "گرو جی آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" اس نے اپنے کندھے کے پیچھے اس کمرے کی طرف اشارہ کیا جسے میں آج تک ایک بند گودام سمجھتا رہا تھا۔

اور میں غلط نہیں سمجھتا رہا تھا۔ وہ واقعی ایک گودام تھا اور اس کے اندر پرانے تختے، ٹوٹا پھوٹا، فرنیچر، جنگلے، لیڑھے، ٹرنک اور گوڈر پھوس کے ڈھیر تھے۔ ایک جھلنگا سی چارپائی پر شیطان بیٹھے تھے اور ان کے دونوں پاؤں فرش پر تھے۔ دبلے پتلے اور لاغر قسم کے "بزرگ" تھے۔ ٹھوڑی پر چھوٹی سی مضحکہ خیز ڈاڑھی تھی۔ سر ننگا تھا اور ایک پکے ہوئے بڑے سے کھیرے سے ملتا جلتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اندر بھی پکے پکے بیج ہوں گے، جن کا خول مضبوط اور ذائقہ یکساں ہوگا۔ آنکھیں گول اور چھوٹی چھوٹی تھیں۔ ایک ڈھیلی سی پرانی گھسی پٹی لکیروں والی شیروانی پہنے تھے، جس کی لکیریں اب تقریباً بالکل معدوم ہو چکی تھیں۔ ہونٹ موٹے اور کان بڑے تھے۔ چہرے پر ملائمت، شرافت اور شفقت نمایاں تھی۔ آواز میں ٹھہراؤ اور لہجے میں بزرگی کا انداز تھا۔ پائینتی کی طرف اشارہ کر کے بولے "بیٹھو برخوردار تشریف رکھو۔"

میں نے کہا "ٹھیک ہے جی اگر آپ اجازت دیں تو میں اسی طرح سے ٹھیک ہوں۔"

فرمانے لگے "کیا چاہتے ہو؟"

میں نے ڈرتے ڈرتے عرض کی کہ میں کائنات کے بھید جاننا چاہتا ہوں اور اپنے اندر کشف کی کیفیت پیدا کرنے کا خواہشمند ہوں، جو دعا مانگوں وہ پوری ہو جو آرزو کروں اس کی تکمیل ہو۔"

میری بات سن کر ذرا سا مسکرائے اور پھر گہرے تفکر کے انداز میں میری طرف دیکھنے لگے۔ میں پامردی کے ساتھ اپنے مقام پر ڈٹا رہا اور ان کی طرف غور سے دیکھتا رہا۔ ان کی شکل ان کا وجود اور ان کا انداز نشست اس آدمی سے ملتا تھا جو ایک زمانے میں لاہور کی مال روڈ پر ٹولنٹن مارکیٹ سے نیشنل سکول آف آرٹس تک چکر لگایا کرتا تھا اور لاہور میوزیم کے سامنے رک کر، پیٹھ سڑک کی جانب کر کے اور منہ عجائب گھر کی طرف اٹھا کر تاریخ کے مختلف ادوار کو گالیاں دیا کرتا تھا اور پٹڑی پر جھک کے خیالی پتھر اٹھا اٹھا کر میوزیم کی طرف مارا کرتا تھا۔ وہ تھا تو بڑا تنک مزاج، دکھی اور مستعمل مجذوب، لیکن اپنے بھرے پُرے جذب کے

عالم میں عورتوں اور بچوں کو پٹڑی پر آتا دیکھ کر سر جھکا کر ایک طرف ہو جایا کرتا تھا۔

خوشی محمد ہاتھ باندھے کسی کام سے اندر آیا تو انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے واپس بھیج دیا' پھر میری طرف مخاطب ہو کر بولے "اس آرزو کی تکمیل کے لیے آپ نے اب تک کیا کیا کوشش کی اور کس کس مرحلے سے گزرے؟"

میں نے کہا "جناب! میری کوشش ابتدائی قسم کی تھیں' چھوٹے چھوٹے چلے' بارہ تسبیحاں' پاس انفاس' ذکر اسم ذات وغیرہ....."

کہنے لگے "کچھ خاص فائدہ ہوا؟ نہیں ہوا ہوگا۔ عام طور پر اس طریق میں بڑی دیر لگتی ہے۔ کبھی کبھی تو ساری عمر ہی لگ جاتی ہے اور گوہر مقصود ہاتھ نہیں آتا' لیکن ہمارا طریق اس سے مختلف ہے' اس میں نہ دیر ہے نہ اندھیر۔ ٹھیک سے معاملہ طے ہو جاتا ہے اور سالک سالوں کی منزلیں ایک ایک دن میں طے کر جاتا ہے۔"

مجھے حضرت ابلیس کی یہ بات سن کر حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی۔ اگر تو ان کی بات اپنا لینے میں یہ سب کچھ ہو جاتا ہے تو کیسی خوش آیند بات ہے اور اگر یہ بات غلط ہے تو اس میں کوئی خاص وقت ضائع نہیں ہوتا اور سیانے کہتے ہیں کہ وقت ہی دولت ہے۔ میں نے کہا "اچھا فرمایئے کہ آپ کے طریق کی ابتدا کیسے کی جا سکتی ہے اور اس کی کیا کیا شرائط ہیں؟"

کہنے لگے "ہمارے مسلک کے مطابق روحانی درجات کی بلندیوں تک پہنچنے میں آپ کو زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ لگے گا۔ اگر آپ جلدی اور تساہل پسند ہیں تو دس دن لگ جائیں گے اس سے زیادہ نہیں۔"

میں نے کہا "اور اس سے وصول کیا ہوگا۔"

فرمانے لگے "اس سے ایک تو آپ کی ہر خواہش پوری ہونے لگے گی۔ دوسرے کشف کی راہیں کھل جائیں گی۔ تیسرے لوگ آپ کے گرویدہ ہو جائیں گے اور آپ کی ذات مقبول عام اور مقبول عوام ہو جائے گی۔ چرند پرند آپ کے تابع ہو کر آپ سے خوف کھانے لگیں گے اور ہر اعتبار سے آپ کے مطیع ہو جائیں گے۔ بس یہ سمجھ لیجئے' آپ کی کلاجگ جائے گی اور چاروں کھونٹ سے آپ کی طلب کا ناد بجنے لگے گا۔"

"اور مدت زیادہ سے زیادہ کس پندرہ دن؟"

بولے "ایک ہفتہ! سنیچر کو شروع کر کے سنیچر پر آجائیں گے اور آپ کے سارے راستے کھل جائیں گے۔"

OCIETY.COM

میں نے کہا "آپ کا وظیفہ کچھ مشکل اور پیچیدہ ہے؟"

کہنے لگے "بالکل بھی نہیں۔ ایک بچہ بھی آسانی سے کر سکتا ہے اور اس میں طبیعت پر کوئی بوجھ بھی نہیں پڑتا۔"

میں نے کہا "سنیچر میں تو ابھی تین دن پڑے ہیں' جب تک میں کیا کروں؟"

کہنے لگے "تیاری! اور تیاری کے لیے ایک مخصوص رویے کی دھن..... جب تک آپ کے موجودہ چلن میں تبدیلی پیدا نہیں ہو گی آپ کا راستہ سیدھا نہیں ہو گا۔ یہ زندگی جو آپ بسر کر رہے ہیں یا جو اب تک بسر کرتے چلے آئے ہیں' اس میں تین سو ساٹھ ڈگری کی پلٹ کا پیدا ہونا بہت ضروری ہے۔ اگر وہ نہیں ہو سکا تو آپ کی سدھی نہیں ہو گی اور آپ راستے سے بھٹک جائیں گے۔"

میں نے دیکھا وہ بات کرتے ہوئے بار بار اپنی ناک کو کھجاتے تھے اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد ناک کی پھننگ پر اس چھوٹی سی گومڑی کو دیکھتے تھے۔ اس طرح دیکھنے سے ان کی دونوں آنکھیں بھینگی ہو جاتی تھیں اور ڈھیلے ناک کی جڑ سے پیوست ہو جاتے تھے۔

کہنے لگے سنیچر آنے تک آپ کو اپنا آپ تیار کرنا پڑے گا' جس طرح اچھی فصل کے لیے زمین کو تیار کرنا پڑتا ہے' اس میں اعلیٰ درجے کی کھاد ملا کر اسے اتھل پتھل کرنا پڑتا ہے' اسی طرح جسم سے روح کی فصل تیار کرنے کے لیے جسم کو اعلیٰ درجے کی کھاد سے ہمکنار کرنا پڑتا ہے۔ کل سے آپ کو طہارت کی ڈرل کا خاتمہ کرنا ہو گا۔"

مجھے ان کی یہ بات سمجھ نہ آئی اور میں نے حیرانی سے ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے کہا "کل سے آپ اپنی بدنی صفائی بالکل بند کر دیں گے۔ حوائج ضروریہ کے بعد آبدست نہیں کریں گے۔ نہانے کے قریب نہیں جائیں گے۔ موقع موقع پر اپنے رینٹ اور تھوک کو اپنے ہاتھوں اور بازوؤں پر ملتے رہیں گے۔ دن میں ایک دو مرتبہ اپنے زیریں بدن کو پیشاب اور مادہ منویہ سے لتھڑے رہیں گے....."

میں سیڑھی پر بیٹھے اس کبوتر کی طرح انہیں دیکھ رہا تھا جس کے گلے میں رسی بندھی ہو اور جس کی گرہ آہستہ آہستہ تنگ کی جا رہی ہو۔

انہوں نے فرمایا "پہلے پہلے ذرا سی تکلیف ہو گی۔ تھوڑی سی الجھن ہو گی' لیکن تیسرے روز جب بدن سے بھبکار آنے لگے گی تو آپ کی طبیعت لگ جائے گی اور زوال کی کامیاب پرواز شروع ہو جائے گی۔"

"زوال کی پرواز۔" میں نے چیخ کر کہا تو انہوں نے فرمایا "عروج اور زوال دراصل ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ نار تھ پول اور ساؤتھ پول ایک سے ہیں اور حقیقت میں ایک ہی ہیں۔ جو جہاز زمین کے گرد جنوب کی طرح جاتا ہے وہ دراصل شمال کی جانب ہی مائل پرواز ہوتا ہے۔"

میں نے کہا "معاف کیجیے میں تو کسی اور شے کی تلاش میں یہاں آیا تھا لیکن خوشی محمد نے مجھے بدرہی پر مجبور کر دیا..... خدا ہم دونوں کو معاف کرے۔"

حضرت شیطان نے بڑی لطیف مسکراہٹ کے بعد فرمایا "یہ تو ابتدائی بدنی پابندی ہے' اس لیے اس پر عمل ضروری ہے۔ جب تک آپ کا بدن سیدھی راہ پر نہیں ہوگا' آپ کی جان کا بوجھ ہلکا نہیں ہو سکے گا۔"

"یہ جان کا بوجھ ہلکا کرنے کی ترکیب ہے؟" میں نے پوچھا۔

کہنے لگے "بس اپنے اپنے اصول میں اور ہم اصولوں پر کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتے۔"

میں نے پوچھا "اور اس کے بعد؟"

کہنے لگے "ایک ہفتے کا لگاتار ورد ہوگا اور دنیا کے راستے آپ سے آپ روشن ہوتے جائیں گے۔"

میں نے کہا "وہ ورد اس وقت ملے گا یا بھکار پیدا کرنے کے بعد بتایا جائے گا۔"

کہنے لگے "ہمارے یہاں پیروں کی طرح غیر ضروری پابندیاں نہیں ہیں۔ طالب ضدی اور ہٹیلا ہونا چاہیے' نام اسی وقت دان کر دیا جاتا ہے۔"

میں نے کہا "مجھے کس شے کا ورد کرنا ہوگا؟ کوئی مشکل پاڑھت تو نہیں؟"

بولے "سیدھی سی آسان سی پاڑھت ہے' تم اس سے مانوس بھی ہو۔ کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

میں نے کہا "یعنی؟"

بولے "آپ کو الحمد شریف کا ورد کرنا ہوگا۔"

"الحمد شریف!" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

کہنے لگے "ہاں..... کیا مطلب؟"

فرمانے لگے "تم کو الٹی الحمد شریف پڑھنا ہوگی' سنیچر سے سنیچر تک اور پھر آپ ہمارے جیش کے ایک بہادر سپاہی بن جائیں گے۔ اس کے بعد آپ کا نشانہ کبھی خطا نہیں

OCIETY.COM